بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

عوامی اصلاح کا کام جماعت اسلامی جیسی دینی تحریک کے لائحہ عمل میں ریڑھ کی ہڈی کا مقام رکھتا ہے۔ اسی کے بل پر پورا لائحہ عمل نافذ ہو سکتا ہے، اور جماعت صحیح سمت میں اور صحیح انداز میں آگے بڑھ سکتی ہے۔ کیونکہ عوام میں ایمان و جہاد کی لہر پیدا ہو گی تو معاشرہ نظامِ صالح کو لانے اور سہارنے کے قابل ہو گا، اور اسی طرح صالح قیادت بروئے کار آسکے گی۔

اصلاحِ خلق کا کام، خالق کے ساتھ اپنا اور خلق کا تعلق جوڑے بغیر ممکن نہیں۔ یہ کام کٹھن بھی ہے، اور خلق کے ساتھ مشغولیتِ نفس اور جماعت کے لیے گوناگوں خطرات سے پُر بھی۔ ہم اس مقصد کے لیے کرنے کے کام، شرائط اور حکمت بھی بیان کریں گے، مگر پہلے یہ واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا تعلق صحیح کرنا معاشرہ کی اصلاح کرنے کے لیے اوّلین اور ناگزیر شرط ہے، اور خلق کو خالق کے ساتھ جوڑنے کی کوشش، اجتماعی اصلاح کی سعی کا مرکزی نکتہ۔

اللہ کے ساتھ صحیح تعلق کا پہلا اور اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ آپ اصلاحِ خلق کا جو کام بھی کریں --- یہ کام تعلیم کا ہو، تذکیر کا ہو، روابط کا ہو، خدمت کا ہو، ظلم اور منکرات کے خلاف جدوجہد کا ہو --- صرف اللہ کے لیے کریں، اس کی آگ سے بچنے کی فکر میں اور اس کی جنت کے لالچ میں کریں۔ ہر کام کرتے ہوئے آپ اس بات کو اپنے دل میں تازہ کریں، آپ کی نگاہ مخلوق کے چہروں پر نہ ہو بلکہ اپنے رب کے "وجہ کریم" پر ہو، اور آپ نبی کریمؐ کی طرح دعا مانگتے رہیں کہ اس پر نظر رکھنے میں اللہ آپ کے لیے لذت بھی پیدا کر دے، لذۃ النظر الی وجھک الکریم، اور آپ کے عمل کو ریا سے پاک رکھے۔ گویا آپ کثرت سے اللہ کو یاد کریں، صبح شام یاد کریں، اور کھڑے بیٹھے لیٹے یاد کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کام کرنے والوں کی تصویر کھینچی ہے۔

آپ کی نگاہ نہ اپنی مقبولیت پر ہو نہ جماعت کی، نہ دونوں پر ہو، نہ دنیا میں کامیابی پر۔ یہاں تک کہ

اس پر بھی نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں لوگوں کی اصلاح ضرور ہی ہو جائے، ظلم کا ازالہ ہو جائے، یا دینی بیداری کی لہر پیدا ہو جائے۔ اگرچہ دولت ہدایت عام ہو جانے اور فتح و نصرت نصیب ہونے کا محبوب ہونا عین مطلوب ہے، مگر جب تک آپ کے پیشِ نظر صرف اپنے رب کے سامنے معذرت کا سامان کرنا اور اس کے غضب سے بچ کر اس کا انعام حاصل کر لینا نہ ہو، نہ آپ کی کوششیں بارگاہ الٰہی میں قبول ہوں گی، نہ آپ اس کٹھن کام کے لیے ہر مایوسی سے بچتے ہوئے مسلسل محنت کر سکیں گے، نہ اس پُرخطر راہ پر محفوظ و مامون چل سکیں گے، نہ لوگوں کے دل آپ کے لیے کھلیں گے، اور نہ آپ کو خلافتِ ارضی نصیب ہوگی۔ ایک دفعہ آپ اس طرح حنیف بن جائیں کہ، ہر ڈوبنے والی چیز کی محبت سے منہ موڑ کر، اپنا رخ صرف اللہ کی طرف کر لیں، اور اس میں کسی کو بھی شریک نہ کریں، پھر آپ اپنی اصلاحِ خلق کی کوششوں میں برکتوں کا نظارہ خود کر لیں گے، الا ماشاء اللہ۔

اللہ کے ساتھ تعلق کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ، اگرچہ آپ عوام کی تعلیم و تربیت کے لیے سرتوڑ کوششیں کریں اور یہ کام جان مار کر کریں، مگر یہ پکا یقین رکھیں کہ اگر کوئی شخص اللہ کی طرف جھکے گا یا ملک میں اجتماعی دینی بیداری کی کوئی لہر پیدا ہوگی، تو یہ آپ کی کوششوں اور پروگراموں سے نہیں، بلکہ صرف اللہ کے کرنے سے ہوگی۔ وہی فاعلِ حقیقی ہے۔ کسی کو صحیح راہ پر لگا دینا تو انبیا کے بس اور اختیار میں بھی نہیں (البقرہ ۲: ۲۶، القصص ۲۸: ۵۶)۔ ہو سکتا ہے کہ سیکڑوں سال کی کوششوں کے باوجود چند ہی دل بیدار ہوں (قومِ نوح)، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ، نبی کے مایوس ہو جانے کے بعد بھی، چند لمحوں میں پوری قوم میں ایمان کی لہر دوڑ جائے (قومِ یونس)۔ یقین رکھیے کہ لوگوں کے دل اللہ کی انگلیوں کے درمیان ہیں، اور وہ ان کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ وہی ان کو نیکی کی طرف مائل کر سکتا ہے، اور جب چاہے، دیکھتے دیکھتے کر سکتا ہے۔ اس بات سے تاکید کے ساتھ روکا گیا ہے کہ آپ کسی کام کا منصوبہ بنائیں اور سوچنے لگیں کہ ہم یہ اور یہ کر لیں گے، اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ کے یقین کے بغیر، اپنی طاقت کا زعم یا اس کے بل پر کامیابی کا بھروسہ، فتح کو شکست میں بدل سکتا ہے۔ بظاہر اپنے کیے ہوئے کاموں سے نتائج برآمد ہو رہے ہوں، جب بھی یہی سوچ اور یہی یقین ہونا چاہیے کہ یہ ہمارے کرنے سے نہیں ہوا، اللہ نے کیا تو ہوا: "تم نے ان کو (بدر کے میدان میں) قتل نہیں کیا، اللہ نے قتل کیا، تم نے خاک نہیں پھینکی، اللہ نے پھینکی" اللہ سے یہ تعلق ہو تو مایوسی پاس بھی نہیں پھٹک سکتی، اگرچہ آپ کو ذرّہ برابر بھی کامیابی نہ ہو۔

لیکن یہ بات بھی ہر وقت یاد رکھنا، اور زبان سے دہرانا ضروری ہے۔ اس کا آسان نسخہ یہ ہے کہ آپ اصلاحِ خلق کے ہر کام سے پہلے چند لمحے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر، دل و زبان سے، اس سے کہیں کہ "اے اللہ، تیرے حکم کی تعمیل میں، اور تیری خاطر، میں یہ کام کرنے چلا ہوں، میرے کرنے سے کچھ نہ ہو

گا، تو ہی اس کو نتیجہ خیز کر اور قبول کر"۔

مخلوقِ خدا کے دلوں کو بیدار کرنے کے لیے آپ ان کو بھی کثرت سے یہی دو باتیں یاد دلائیں، اور انھی کی تذکیر و تلقین کریں: ایک، بھائی، یہ کام (ہر کام) صرف اللہ کے لیے کریں تاکہ آپ اس کی آگ سے بچ جائیں اور وہ آپ کو اپنی جنت میں داخل کر دے۔ دوسرے، بھائی، اللہ مالک ہے! سب اسی کے کرنے سے ہوتا ہے، ہمارے آپ کے کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ کوشش میں جان لڑا دیں۔

جو اللہ کے پاس ملنے والا ہے اس کی قدر و قیمت اور دنیا کی بے قدری، اور اللہ کی قوت پر یقین اور اسبابِ دنیا کی بے وقعتی جتنی ان دو باتوں کی تلقین و تذکیر ہوگی اتنی ہی دلوں کی وہ کھیتی تیار ہوگی جو نیکی کی لہلہاتی ہوئی فصل دے سکے۔ اس غلط فہمی میں بھی نہ پڑ جائیں کہ یہ باتیں صرف دین داروں ہی پر اثر کریں گی۔ نہیں، گناہگار اور فاسق ہوں یا دین سے لاپروا اور برگشتہ، یا بالکل ماڈرن، ان میں بھی آپ قبولیت اور آمادگی پائیں گے، اور ان پر جو اثر یہ باتیں کریں گی وہ لمبی لمبی تقریریں نہیں کریں گی۔

اس طریقۂ تربیت کی حکمت حضرت عائشہؓ نے صحیح بخاری کی ایک روایت میں یوں آشکار کی ہے:

> قرآن مجید میں سب سے پہلے "مفصل" کی (سورتوں میں سے) ایک سورت نازل ہوئی، جس میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے۔ جب لوگ اللہ کے آگے سپردگی کے لیے تیار ہو گئے، تو حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر شروع ہی میں یہ حکم اترتا کہ شراب نہ پیو، تو لوگ کہتے ہم ہرگز شراب نہ چھوڑیں گے، اور اگر یہ حکم اترتا کہ زنا نہ کرو، تو وہ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہ چھوڑیں گے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ آپ اپنے دل میں وہ چنگاری سلگائیں جو آپ خلق کے دلوں میں سلگا کے، ان میں ایمان کی حرارت پیدا کرنا اور ان کے دلوں کو نیکی کے لیے نرم کرنا چاہتے ہیں: دوزخ کا خوف اور جنت کی طلب، اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت، بندوں کی خدمت کے لیے سوز اور دردمندی، خالص دنیا والوں کی طرح ہر دنیوی سبب کو استعمال کرنا، لیکن خالص تارکینِ دنیا کی طرح صرف رب پر بھروسہ کرنا۔ ان سب کا سرچشمہ تعلق باللہ کے درج بالا دو تقاضوں میں ہی مضمر ہے۔

اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ کے اپنے اندر یہ چنگاری نہ ہو تو آپ خلقِ خدا کے اندر اسے سلگانے کے لیے کام نہ کریں۔ اپنی اصلاح الگ فریضہ ہے، دوسروں کی اصلاح الگ فریضہ۔ ایک فریضہ

کے ادا نہ ہونے سے دوسرا فریضہ ساقط نہیں ہوتا۔ بعض دفعہ فاسق و کافر کی بات سے بھی دلوں میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ نہ ان میں کوئی ایسی ترتیب ہے کہ پہلے خود "کچھ" بن جائیں، پھر دوسروں کو بنانے کے لیے نکلیں۔ اپنے "کچھ" بن جانے کی منزل کبھی نہیں آئے گی، اور کبھی آپ نے سوچا کہ آ گئی تو اسی وقت آپ "کچھ" بھی نہ رہ جائیں گے۔ کیا عجب کہ دوسروں کو کہتے کہتے، اور اپنے تضاد کی خلش کی کسک سے، ایک دن خود اپنے دل میں یہ دِیا جل اٹھے۔

تیسری بنیادی شرط یہ کہ آپ دل اور عمل کو کبر سے پاک رکھیں، اور تواضع کی رَوِش اختیار کریں۔ جب آپ خود کو "کچھ" نہ سمجھتے ہوں، اور اصلاح کرنے والا بھی خود کو نہ سمجھتے ہوں، تو کبر کی جڑ تو خود بخود ہی کٹ جائے گی۔ اِصلاحِ خلق کے کام کی روح یہ ہے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں، خود کو کچھ بنانا چاہتے ہیں۔ آیئے، آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں، جو کام ہم تنہا نہیں کر سکتے وہ آپ کے شریک ہو جانے سے ہو جائے گا۔

چوتھی بنیادی شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس علم ہو۔ کتنا علم؟ اس کا تعین کرنا ممکن نہیں، نہ ضروری ہے۔ آپ اصلاح کا کام کہاں کر رہے ہیں؟ کن لوگوں میں کر رہے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کی سیکھنے کی استعداد کتنی ہے؟ ان تمام چیزوں کے لحاظ ہی سے مقدار کا تعین ہو سکتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مقدار ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہو گی۔ ایک مسلمان پر جو کم سے کم علم حاصل کرنا فرض ہے، وہ بھی اس کام کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ اگر آپ اتنا جانتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی اور اطاعت کا مستحق نہیں، وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کی بخشی ہوئی ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، اس کے علاوہ کسی کے پاس کوئی اختیار اور قوت نہیں، وہ ہر چیز جانتا ہے، وہ ہر جگہ میرے ساتھ ہے، مرنے کے بعد میں اس کے سامنے کھڑا ہوں گا، مجھ سے ہر نعمت کے بارہ میں سوال کیا جائے گا، "میرا آج کا ہر عمل میرے سامنے ہو گا"۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: وہ سب اللہ کی طرف سے ہے جس کی اطاعت کرنا ضروری ہے، اور اللہ نے ہماری امت اس لیے بنائی ہے کہ ہم اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں اور اس کا دین قائم کریں، اس مقصد کے لیے جہاد سب سے چوٹی کا عمل ہے اور اس راہ میں شہادت سب سے بڑی سرفرازی --- تو اتنا علم اس دعوت و تذکیر اور تعلیم و تربیت کے لیے کافی ہے جو ایک بے پڑھا لکھا اور عام آدمی بھی کر سکتا ہے، اور جو معاشرہ میں دینی بیداری کی ایک لہر پیدا کر دے۔ رہے اخلاقِ حسنہ اور عبادات، تو وہ "معروف" ہیں۔

کئی مثالیں موجود ہیں کہ بعض لوگ ایمان لائے، اور رسول اللہؐ نے ان کو صحابی اپنے قبیلہ کی

طرف داعی اور مصلح بنا کر بھیج دیا، کسی نے قرآن کی ایک آیت سنی اور وہی اس کے لیے کافی ہو گئی۔ یہ بھی ہوا کہ عام تاجر اور سپاہی کہیں جا کر رہے اور بستی کی بستی اسلام میں داخل ہو گئی۔

یہاں اس سے زیادہ علم کے حصول کی --- اور زیادہ علم کی کوئی حد نہیں --- ضرورت کو ہلکا کرنا یا اس کا انکار مقصود نہیں، بلکہ کم سے کم ضروری اور بنیادی علم رکھنے والوں کو بھی اصلاحِ خلق کے کام کے لیے کھڑا کرنا مقصود ہے۔

آج کرنے کے کام کیا ہیں کہ اصلاح اجتماعی کی سعی موثر ہو۔ اکثر کام وہ ہیں جو عرصہ سے جماعت اسلامی کے منصوبوں میں لکھے ہوئے موجود ہیں، لیکن آپ انھیں کر نہیں رہے۔ یا کر رہے ہیں تو ان میں تاثیر نہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم نے اوپر جن شرائط کا ذکر کیا ہے، اگر آپ ان کے حصول کا اہتمام کریں گے تو جو لکھا ہوا ہے اور نہیں ہو رہا، وہ بہت کچھ ہونے لگے گا۔ تاثیر اللہ کے ہاتھ میں ہے، لیکن ہمیں اس سے پُرامید رہنا چاہیے کہ وہ اس سے بھی محروم نہ رکھے گا۔

اکثر تیر بہدف پروگراموں کی فرمائش ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بنیادی اصول سامنے رہنا چاہیے۔ انسان پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو یہ اختیار نہیں دیا ہے کہ وہ اس کے دل کو بدل دے یا اس کو نیک بنا دے۔ یہ کام تو خود انسان کے کرنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بھی جو "تیر بہدف" تدابیر بتائیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگوں کو دعوت دو (حکمت کے ساتھ)، انھیں تذکیر کرو، انھیں انذار کرو، خوش خبری سناؤ، ان کو ان کے بارہ میں قولِ بلیغ سے وعظ و نصیحت کرو (موعظہ حسنہ)۔ ہاں، اخلاق و حکمت کے موتیوں کے خزانوں کی کنجیاں اس نے ضرور، اپنے نبیؐ کی معرفت، ہمارے ہاتھ میں تھمائی ہیں، جن موتیوں سے یہ عام اور معروف نسخے کارگر موثر ہو سکتے ہیں۔

جماعت اسلامی کے پانچ سالہ منصوبہ میں دعوت و تربیت کے ذیل میں ہر جز ہمارے عوامی تعلیم و تربیت کے پروگرام میں شامل ہونا چاہیے۔ لیکن ہم اس کے سیاق ہی میں ایک مختصر سا منصوبۂ عمل یہاں تجویز کر رہے ہیں:

۱۔ **عام لوگوں سے میل جول اور ربط ضبط:** الگ تھلگ رہنے کی، صرف اپنے محدود دائرہ میں ربط ضبط رکھنے کی رَوِش ترک کر دیجیے۔ اور عوام سے میل جول رکھیے، ان میں گھُل مِل جائیے۔ برسوں کی عادات اور مزاج کو اکھاڑنے میں اور نئی روش اختیار کرنے میں محنت لگے گی، وقت لگے گا، مزاج اور ماحول کی رکاوٹیں درپیش ہوں گی، لیکن عوام میں گھلے ملے بغیر ان میں کوئی اصلاحی

تحریک برپا نہیں ہو سکتی۔

چند کام ہیں جو اس مقصد کے لیے مفید ہو سکتے ہیں:

عام لوگوں کو، اپنے سے کم حیثیت کے لوگوں کو، اجنبی لوگوں کو سلام کرنے میں پہل کرنا۔

ان کی خوشی اور غم میں شریک ہونا۔

ان کی عیادت کو جانا، ان کے جنازوں میں شریک ہونا، ان کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔

عام چائے خانوں اور ریسٹورانوں میں جا بیٹھنا، گفتگو سننا اور کرنا۔

اسی طرح باقاعدگی سے کبھی کبھی ریل کے تیسرے درجہ میں سفر کرنا، شہر میں پبلک ٹرانسپورٹ پر بیٹھنا، لوگوں کی باتیں سننا، اور ان سے بات چیت کرنا۔

اس میل جول سے ایک طرف باہمی اعتماد پیدا ہوگا اور غیر رسمی دعوت و تذکیر کے مواقع ملیں گے، دوسری طرف آپ کو عام لوگوں کی سوچ اور جذبات اور ان کے مسائل کا علم ہوگا، اور آپ کو ان کی فطرت و نفسیات کا گہرا اور وسیع تجربہ بھی ہوگا۔ یہ بصیرت اصلاح کے کام کے لیے ناگزیر ہے۔

۲۔ چلتی پھرتی دعوت و تذکیر: رسمی تعلیم و تدریس اور میٹنگوں میں درس و خطاب کے ذریعہ دعوت و تذکیر کی افادیت محدود ہے۔ لیکن معمول کی صحبتوں، ملاقاتوں اور مجلسوں میں، معمول کی بات چیت اور گفتگوؤں کے ذریعہ، بغیر موضوع اور تقریر کے، بتدریج وقتاً فوقتاً چھوٹی چھوٹی خوراکوں کے ذریعہ، جو دعوت و تذکیر ہوتی ہے، وہ کہیں زیادہ موثر اور مفید ہوتی ہے۔ میں اس طریقہ کو "چلتی پھرتی دعوت و تذکیر" کا نام دیتا ہوں۔ ہمارا کام زیادہ سے زیادہ ایسی چلتی پھرتی خانقاہیں اور بھاگتے دوڑتے مدرسے بنائے بغیر نہیں ہو سکتا۔

دعوت و تذکیر اور وعظ و تلقین کے موضوعات وہی ہونا چاہییں جن کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ان میں استغفار، توبہ اور خدا کی نافرمانی سے بچنے کی تذکیر بھی شامل کیجیے۔ اصل ہدف دلوں کو بیدار کرنا رکھیے، فروعیات میں نہ پڑیے۔ دلوں کو بیدار کرنا اصلاح کے لیے ناگزیر ہے۔ دل بیدار ہو جائیں تو سارا معاشرہ سدھر جائے گا، اگر دل بگڑ جائیں تو سارا معاشرہ بگاڑ کی راہ پر چل پڑے گا۔

۳۔ تعلیم قرآن: عام لوگوں اندر اللہ تعالیٰ سے گہرا اور طاقت ور تعلق پیدا کرنے، ان کے اندر آخرت طلبی کی فکر مضبوط کرنے اور ان کو ایمان کی حلاوت و حرارت کی لذت سے آشنا کرنے کا کوئی نسخہ قرآن مجید کی تعلیمات کی براہ راست تعلیم و تبلیغ سے زیادہ موثر نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہؒ کے الفاظ

میں: "مسلمانوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ عوام و خواص یکساں طور پر قرآن مجید کو سمجھ سکیں، اور چھوٹے بڑے سب قرآن کے معانی کا ادراک کر سکیں" (دیباچہ فتح الرحمٰن)۔ شاہ عبدالقادرؒ نے بڑے سادہ اور خوب صورت الفاظ میں قرآن مجید کے مطالعہ اور اس کی فہم کی اہمیت بیان کی ہے: "بتانے والے بجیرا بتائیں، جیسا خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے ویسا کوئی نہیں بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں" (دیباچہ موضح القرآن)

شاہ ولی اللہ صاحب نے تعلیم قرآن کے لیے ایک منفرد طریقہ خود بھی اختیار کیا، اور اس کی وصیت بھی کی۔ وہ اپنے وصیت نامہ میں لکھتے ہیں کہ "قرآنِ عظیم کا درس اس طرح دیں کہ صرف قرآن پڑھائیں، بغیر تفسیر کے۔ ساتھ ساتھ ترجمہ پڑھاتے جائیں۔ جہاں کوئی نحو یا شانِ نزول کا اہم مسئلہ آجائے وہاں ٹھہریں، اور اس پر گفتگو کریں۔ درس سے فارغ ہونے کے بعد، درس میں جتنا قرآن پڑھا گیا ہو، اس کے مقدار کے برابر جلالین (تفسیر) پڑھائیں۔ اس طرح پڑھنے میں بڑے فائدے ہیں"۔ (التفہیمات الالٰہیہ، ج ۲)

درسِ قرآن کا اپنا مقام اور فائدہ ہے، لیکن آپ گھر گھر اور محلہ محلہ براہِ راست قرآن مجید کے متن اور ترجمہ کی تعلیم کا ایک جال بچھا دینے کے لیے کمر کس کے کھڑے ہو جائیں۔ لفظی اور بامحاورہ، دونوں قسم کے ترجمے آپ کے پاس موجود ہیں۔ صرف لوگوں کو جمع کرنے اور ترغیب دینے کی ضرورت ہے۔ ہمارے اندازے کی حد تک، لوگوں میں پیاس بھی ہے۔ ہمیں ایسے نیم خواندہ لوگوں کا تجربہ ہے جنھوں نے پورے قرآن کا لفظی ترجمہ اس طرح پڑھ لیا اور یاد کر لیا کہ ان میں کسی بھی مقام سے صحیح ترجمہ کرنے کی استعداد پیدا ہو گئی۔ اس طریقِ تعلیم میں، یک طرفہ درس سننے کے مقابلہ میں، شرکا خود پوری طرح تعلیم میں شرکت کرتے ہیں اور محنت کرتے ہیں، اور انسانی تشریح و تفسیر کے مقابلہ میں متن سے براہِ راست تعلق قائم ہوتا ہے۔

قرآن کلاس میں ۵ تا ۳۰ افراد شریک ہو سکتے ہیں۔ کلاس چلانے والے کے پاس تفہیم القرآن، یا کوئی دوسری مختصر تفسیر ہونا چاہیے، تاکہ مشکل پڑے تو حل کی جا سکے۔ ایک پڑھا لکھا آدمی جو قرأت صحیح پڑھ سکتا ہو، ایسی کلاس چلا سکتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے گھر، محلہ اور کام کی جگہ پر ایک نہ ایک کلاس قائم کرنا چاہیے۔ عورتوں میں، اس کام پر زیادہ توجہ دینا چاہیے۔ اس لیے کہ ان کے ذریعہ قرآن کی بڑے پیمانہ پر تعلیم نئی نسلوں تک منتقل ہو جائے گی۔ جو لوگ اہل ہوں وہ اپنا سارا فارغ وقت اسی کام میں لگا دیں۔

ان کلاسوں میں حدیث، سیرت، اور تطہیر افکار اور بیداریِ ذہن کے لیے دیگر کتابیں بھی پڑھ کر

سنائی جاسکتی ہیں۔ کوئی ایک فارمولا ہر جگہ نہیں چلے گا۔

۴۔ ماحول / صحبت: گفتگو، تعلیم اور تقریر سے کہیں زیادہ موثر ماحول اور صحبت ہوتے ہیں۔ ماحول تبدیل ہونے سے دنیا بدل جاتی ہے۔ ماحول تبدیل نہ ہو، تو ہو سکتا ہے کہ ساری تعلیم و تذکیر دھری کی دھری رہ جائے اور کوئی فائدہ نہ ہو۔ مخالف ماحول میں تربیت و استقامت کے لیے، تلاوت قرآن کی ہدایت کے بعد، ان لوگوں کی صحبت سے خود کو باندھ لینے کی ہدایت ہے "جو ہر وقت اپنے رب کو پکارتے ہیں، اور صرف اس کی رضا کے طلب گار ہیں" (الکہف)۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو، لوگوں کو بہتر اور صالح تر ماحول اور صحبت مہیا کرنے کی کوشش ضروری ہے۔ خصوصاً گھر میں، خاندان میں، محلہ میں، مسجد میں۔

۵۔ اپنا گھر: اپنے گھر پر آپ کو اختیار حاصل ہے۔ گھر کی اصلاح معاشرہ کی اصلاح کا سرچشمہ ہے، اور آج معاشرہ میں جتنا فساد بڑھ رہا ہے اس کا منبع بھی گھر ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اپنے گھر کے ماحول کی فکر کیجیے، اہل خانہ کو صالح صحبت فراہم کیجیے۔ گھر کو پاکیزہ رکھیے، گھر میں نیکی کی فضا قائم کیجیے، گھر کو قرآن مجید اور دین و اخلاق کی تعلیم کا مرکز بنایے۔ اس کے لیے رسمی اجتماع ضروری نہیں، گھر کو مستقل درس گاہ بنا دیجیے، فیضانِ نظر سے آداب سکھائیے، ثقافت سکھائیے، زبان سکھائیے۔ جو چیزیں گھر کا ماحول گندہ کرتی ہیں، حتی الوسع ان کو باہر کر دیجیے۔ گھروں میں ہلچل مچا دیجیے تاکہ کسی گندگی کا ٹکنا اور سانس لینا دشوار ہو جائے۔ کوئی آپ کے گھر میں آئے تو پاکیزگی اور نیکی کی خوشبو پائے۔ آپ کا گھر محلہ میں، خاندان میں ایک چراغ بن جائے، اور ایک صالح معاشرہ کا نیوکلیس۔

جب بنی اسرائیل ایک طرف چار سو سالہ غلامی کے نتیجہ میں ایمانی، اخلاقی اور ثقافتی فساد میں مبتلا تھے، اور دوسری طرف ان پر فرعون کا استبداد مسلط تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے گھروں ہی کو اپنی دینی زندگی کا نیوکلیس بنانے کا نسخہ دیا تھا (یونس: ۸۷)۔ آج جب کہ ہم سیاسی غلامی سے آزاد ہو کر بھی ثقافتی اور معاشی غلامی کے تسلط میں ہیں، اور خواب گاہوں تک میں کافرانہ ثقافت کا نفوذ ہے، معاشرہ کی اصلاح میں گھروں کو نیوکلیس بنانا ناگزیر ہے۔

۶۔ اپنا خاندان: ہمارے معاشرہ میں ابھی تک وسیع خاندان کا وجود باقی ہے، دُور دُور تک اَقربا سے رَوابط ہوتے ہیں، فاصلوں کو عبور کر کے بھی ہوتے ہیں، ان تعلقات کا لحاظ رکھنا بھی ہماری روایات میں شامل ہے۔ اس لیے گھر کے بعد، آپ خاندان کو اصلاح کی تحریک میں شامل کریں۔ سارے

اقربا کی ایک فہرست بنا لیجیے، یہ دیکھیے کہ کون، کہاں تک، کیا کر سکتا ہے۔ کبھی سال میں سارے خاندان کو جمع کر لیجیے۔ ویسے بھی صلہ رحمی کے تاکیدی قرآنی حکم پر زیادہ سے زیادہ عمل کیجیے۔

۷۔ اپنا، محلہ اپنا پڑوس: محلہ میں آپ کا گھر ہے، اور محلہ والوں کے ساتھ آپ کا پڑوس ہے۔ اپنے گھر کے بعد یہ محلہ فطری طور پر وہ موزوں ترین مقام ہے جسے آپ کو اپنی اصلاحی کوششوں کا مرکز بنانا چاہیے۔ ان پڑوسیوں کا اکرام، ان سے خوش گوار روابط، ان کو ہدایا بھیجنا، ان کی ضروریات پوری کرنا، ان کی ایذا رسانی سے بچ کر ان کو راحت پہنچانا، یہ سب وہ فرائض ہیں جو اللہ اور رسول نے آپ پر عائد کیے ہیں۔ آپ یہ فرائض ادا کریں گے تو اس کی راہ کھل جائے گی کہ آپ اپنے محلہ والوں میں گھل مل جائیں اور محلہ کے ماحول کی اصلاح کر کے اس کو پاکیزہ بنائیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ملک بھر میں مہمات چلاتے رہیں، اور محلہ والوں کے لیے اجنبی بنے رہیں کہ آپ کس دعوت کے علم بردار ہیں۔ محلہ کے مسائل میں دلچسپی لیجیے، دعوت و تذکیر کے مجلسوں اور ملاقاتوں کا اہتمام کیجیے۔ مسائل کے گرد آپ محلہ والوں کو منظم بھی کر سکتے ہیں، محلہ کمیٹیاں قائم کر سکتے ہیں۔ یہ کمیٹیاں محلہ کی ذہنی، اخلاقی اور ثقافتی زندگی کے تحفظ اور صحیح سمت میں نشوونما کا اہم کام انجام دے سکتی ہیں۔

۸۔ اپنی مسجد: فی الحال تو اجتماعی اصلاح بروئے کار لانے میں مسجد کا رول بہت محدود ہے۔ وہاں جانے والے لوگ بھی کم ہیں، اور عام زندگی پر مسجد کے اثرات بھی برائے نام۔ مُلّا کے خلاف مہم، مُلّا کے کردار، اور فرقہ واریت نے مسجد کی توقیر اور احترام میں مزید کمی کر دی ہے۔ لیکن مسجد ہی ملی زندگی کے احیا کا مرکز بن سکتی ہے۔ اسی لیے قرار داد ماچی گوٹھ کے اصلاحی پروگرام میں مسجد کی خدمت اور مسجد کے ساتھ تعلق کو خصوصی مقام دیا گیا ہے۔ مسجد ہی کے ذریعہ جو مذہبی عنصر پایا جاتا ہے اسے اصلاح کے کام کے لیے متحرک کیا جا سکتا ہے۔ پھر دعوت و تذکیر سے عملی نتائج حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ لوگ نماز پڑھیں، صحیح طرح پڑھیں، اور آپ انھیں مسجد میں لائیں۔

سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ آپ خود باقاعدگی سے مسجد میں باجماعت نماز پڑھیں۔ آپ مسجد میں آنے والوں سے ربط ضبط بڑھائیں، ان کے گھر آئیں جائیں۔ موجودہ انتظام میں کوئی مقام بنانے کی کوشش سے اجتناب کریں، لیکن مسجد کے مسائل میں دلچسپی لیں اور اس کی خدمت کریں۔ یہ کام بے غرضی اور حکمت سے کرنا ضروری ہے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ آپ کسی بھڑوں کے چھتہ کو چھیڑ دیں۔

۹۔ خدمتِ خلق: عام لوگوں کے ساتھ ربط ضبط کا محور صرف زبانی دعوت و تذکیر کو نہ

بنایے، بلکہ عملاً ان کی مدد اور ان کی خدمت کے لیے جو بن پڑے وہ کیجیے۔ خدمت کے دائرہ کو صرف لوگوں کے کام کرانے تک محدود نہ کرلیجیے۔ بلکہ حدیث نبویؐ کے مطابق عمل کا دائرہ وسیع کیجیے، کہ مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے، ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے، سواری پر سوار ہونے میں مدد کرنا بھی صدقہ ہے، اپنی ایذا سے مامون رکھنا بھی صدقہ ہے، میٹھی اور دل نوازبات کرنا بھی صدقہ ہے۔ کام کرانے کے لیے بھی کھڑے ہوں تو اپنے سر ذمہ داری نہ لیجیے۔ یہی کہیے کہ میں کوشش کروں گا" کرنے والا تو اللہ ہے۔ وہ چاہے گا تو ہو جائے گا۔

۱۰۔ **جہاد کا مرکز و محور:** معاشرہ میں وسیع پیمانہ پر اصلاح کی لہر اسی وقت تک پیدا نہ ہو گی جب آپ دعوت و تذکیر اور وعظ و تلقین اور ربط و ضبط کی ساری مساعی کا تعلق اعلائے کلمۃ اللہ، قیامِ قسط اور ملک میں خلافت راشدہ کے منہاج پر نظامِ صالح کے قیام کے لیے جہاد اور شوقِ شہادت کے ساتھ مربوط نہ کریں گے، یہاں تک کہ یہی اس کا مرکز اور روح ہو۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے پیمانہ پر بیداری، اور ایمان و اخلاق میں بہتری کی لہر اسی وقت پیدا ہوئی ہے، جب جذبۂ جہاد بیدار ہوا ہے۔ اسی لیے مجلسِ شوریٰ کی قرارداد میں اس نکتہ کو اہمیت دی گئی ہے۔ اس موضوع پر پھر بھی ہم آیندہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔ لیکن اس وقت مغرب کے ساتھ تہذیبی کشمکش، اور، جیسا کہ منصوبہ اور قرارداد دونوں میں تجویز کیا گیا ہے، اور اہل کشمیر کے جہاد کے ساتھ اصلاحِ خلق کی تحریک کو مربوط کرنے کی اہمیت واضح کرنا کافی سمجھتے ہیں۔

اصلاحِ خلق کا کچھ کام سب کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر کام سب نہیں کر سکتے، نہ ہر شخص سب کام کر سکتا ہے۔ آغاز تحریک ہی سے یہ حکمتِ عملی سامنے رہی ہے کہ لوگ اپنی اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ کام کریں جو وہ بہتر طریقہ سے کرسکتے ہوں۔ اسی لیے تشکیلِ جماعت کے بعد سید مودودیؒ نے تمام شرکا سے فرداً فرداً ملاقات کر کے ان کی صلاحیت اور ذوق کے لحاظ سے ان کو مختلف شعبوں کے لیے مختص کیا۔ اسی لیے قرارداد ماچھی گوٹھ کے عملی پروگرام میں علمی تحقیقات کے کام کے لیے یہ طے کیا گیا تھا کہ جو لوگ اس کام کی صلاحیت رکھتے ہوں "انھیں دوسری سرگرمیوں سے فارغ کر کے مختلف شعبوں میں علمی کام پر لگایا جائے"۔ اصلاحِ معاشرہ کی مہم بھی اسی طرح کامیابی کے ساتھ چل سکتی ہے کہ کچھ کام تو سب کریں، لیکن جو لوگ اس منصوبہ میں کسی مخصوص کاموں کے لیے موزوں ہوں ان کو دوسری سرگرمیوں سے فارغ کر کے انھی کاموں پر لگا دیا جائے۔

اصلاح خلق کا کام کرنے کے لیے جو حکمت اور اخلاق ناگزیر ہیں ان کی پابندی ضروری ہے، کہ ان کے بغیر کوئی عملی کوششیں بار آور نہیں ہو سکتیں:

۱۔ نرمی، شفقت و محبت اور سوز و دردمندی سے ہی دلوں کے تالے کھلتے ہیں، ان کا زنگ دور ہوتا ہے، اور وہ قبولیت کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ آپ عام لوگوں کی جہالتوں اور گناہوں کا مقابلہ سختی کے بجائے شفقت، اور غصہ و جھلاہٹ کے بجائے سوز اور دردمندی سے کریں، گناہوں سے نفرت کریں، لیکن گنہگاروں سے محبت کریں، کہ محبت سے دل فتح ہوتے ہیں۔ حضورؐ کے اُسوۂ کو ہمیشہ سامنے رکھیے۔ آپؐ سخت دل، تُند خُو اور جھگڑالو نہ تھے۔ رحمت للعالمین، رؤف و رحیم، نرم دل اور نزاع و جدال سے اعراض برتنے والے تھے۔ فراخ دل اور فیاض تھے۔ عفو و درگذر سے کام لیتے تھے۔ برائی کا جواب بھلائی سے دیتے تھے۔ یہ آپؐ کے اخلاق کریمانہ تھے کہ لوگ بدل گئے اور آپؐ کے گرد جمع ہو گئے۔

۲۔ نیکی اختیار کرنے میں سہولت اور آسانی پیدا کریں، اسے تنگ اور مشکل نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ وہ "تمہارے لیے یسر چاہتا ہے، عسر نہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا کہ "دین آسان ہے"، نیز یہ کہ "تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے"۔

۳۔ تیسیر دین کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ عام لوگوں کی نفسیات اور مشکلات (جن سے واقف ہونا ضروری ہے)، ان کی ذہنی اور عملی استعداد کے مطابق ہی بات کہیں، عمل کا مطالبہ کریں، اور عمل کی توقع رکھیں۔

۴۔ تیسیر کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ آپ تدریج کو ملحوظ رکھیں۔ پہلے وہ باتیں لیں جن پر اتفاق ہے، پھر ان کی طرف بڑھیں جن پر اختلاف ہے اور تنازعہ پیدا ہو سکتا ہے۔ پہلے ایمان کی فکر کریں، پھر نماز اور خدمت خلق کی، پھر دین کی دوسری تعلیمات اور احکام کی۔ پہلے اتنا بوجھ رکھیں جو لوگ آسانی کے ساتھ اٹھا سکیں، پھر اس میں ان کی استعداد میں اضافہ کے تناسب کے مطابق اضافہ کریں۔

۵۔ عام لوگوں کی مشکلات، مسائل اور کمزوریوں کا لحاظ رکھیں۔ اسی طرح ان کے رجحانات اور میلانات کا بھی۔ ان کی عام دنیوی دلچسپیوں میں شرکت کا بھی۔ نبی کریمؐ طویل قرأت کا ارادہ فرماتے، مگر کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی تو اس خیال سے مختصر فرما دیتے کہ بچہ کی ماں (جو جماعت میں ہو گی)

پریشان ہوگی۔ لوگ جس قسم کی بھی گفتگو کرتے۔۔۔ اگر وہ گناہ نہ ہوتی۔۔۔ تو آپؐ اس میں شریک ہو جاتے۔

۶۔ فروعیات اور جزئیات کے پیچھے نہ پڑیے، ان پر زور نہ دیجیے نہ ان کے بارہ میں بحث اور جھگڑا کیجیے۔ اختلافی مسائل میں بھی اپنی رائے تھوپنے کی کوشش، اس کو منوانے پر اصرار اور اس کے بارہ میں مناظرانہ گفتگو سے کلیتاً اجتناب کیجیے۔

۷۔ سننے والوں کی سہولت اور آمادگی کو ملحوظ رکھیے۔ موقع بے موقع تقریر اور گفتگو کرنے، بے جا طول دینے اور بے ضرور تکرار سے پرہیز کیجیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ صرف جمعرات کو نصیحت کرتے تھے۔ لوگوں نے اصرار کیا کہ روز کیا کریں، تو فرمایا: "میں اس لیے نہیں کرتا کہ تم پر گراں نہ ہو جائے۔ میں اسی طرح وقفہ کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں جس طرح رسول اللہؐ ہمیں کرتے تھے کہ ہم بے زار نہ ہو جائیں"۔ (بخاری)

۸۔ جب آپ عام لوگوں کی اصلاح کا کام کر رہے ہیں تو انھی کی زبان اور بولی میں بات کریں۔ یہ نہ ہو کہ آپ علمی لٹریچر پڑھیں، اور اسی کو ان کے سامنے دہرا دیں۔ ثقیل الفاظ سے اجتناب کیجیے۔ بات جتنی اسان اور عام فہم ہوگی، اتنی ہی فصیح اور موثر ہوگی۔

۹۔ یاد رکھیے کہ ہر شخص میں اچھائیاں بھی ہوتی ہیں، اور برائیاں بھی۔ آپ اس کی برائیوں ہی کو دیکھیں گے، ان ہی کا ذکر کریں گے، تو اس کی اصلاح مشکل سے ہوگی۔ آپ اس کی اچھائیوں کو دیکھیں، ان کا ذکر کریں، تو برائیاں بھی کم ہو جائیں گی۔ اس طرح لوگ اچھے بھی ہوتے ہیں اور بُرے بھی۔ نہ کوئی شخص برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے، نہ سب لوگ نیک بن سکتے ہیں۔ جو شخص جتنی اصلاح کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے، اسے قبول کر لیجیے۔ اور اصلاح کی کوشش جاری رکھیے۔